ہمارے دور کی مغربی تہذیب و ثقافت مرحلۂ زوال میں

ترجمہ جناب شمس نوید عثمانی

ممتاز امریکی ماہر عمرانیات پروفیسر پٹریم ۔اے۔ سوروکن نے اپنی تصنیف "انسانیت کی تعمیر نو" میں کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ عہد رواں کے مغربی کلچر کے مریضانہ گوشوں پر بحث کی ہے۔ ایک طویل علمی تحقیق و تفتیش کی بنیاد پر جو سالہا سال تک جاری رہی اُس نے اس بات کا سُراغ لگایا ہے کہ "ہماری موجودہ تہذیب و ثقافت اور سماجی ادارے مرکزی طور پر جنگ اور دوسری نازک کشمکشوں کی خود پرستانہ قوتوں کو جنم دیتے ہیں"۔ اور یہ کہ "وہ خود غرض، خون آشام اور تخلیقی صلاحیتوں سے محروم شخصیتوں کی ایک غالب اکثریت پیدا کرتے ہیں"۔ اور "اُن کے زیر سایہ جرائم کی افزائش ہوتی ہے"۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مزید عالمگیر لڑائیاں ناگزیر ہو جائیں گی اور ان میں کی ایک یا ایک سے زیادہ لڑائیاں تہذیبِ انسانی کو موت کے گھاٹ اتار دیں گی"۔ (صفحہ ۱۰۱)

ثقافت جدیدہ کی مادی اور محسوسات پرستانہ (Sensate) نوعیت

پروفیسر سوروکن کی رائے میں موجودہ عہد کی مغربی تہذیب و ثقافت کے اخلاقی زوال کا بنیادی طبی باعث اس کی حواس پرستانہ مادی فطرت ہے اور اس "حواس پرستانہ مادی کلچر" کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "وہ محسوسات انگیز، سنسنی خیز، تجربیت پسند، لادینی اور دنیائے آب و گل سے وابستہ کلچر" ہوتا ہے۔ اس کے نظریہ کی رو سے اس تہذیب و ثقافت کی اساس اس اصولی قدر پر قائم کی گئی ہے کہ "جو محسوسات کو چھیڑ دے وہی حقیقی قدر اور حقیقت ہے"۔ اس کے خیالات کے مطابق "یہی وہ اصول ہے جو ہماری ثقافت جدیدہ کے ہر ہر شعبہ سے، اس کے علوم و فنون سے، فلسفہ اور چھوٹے نمائشی مذہب سے، اخلاقیات اور قانون سے، اس کے سماجی معاشی اور سیاسی اداروں اور انجمنوں سے زندگی اور ذہنیت کے چھائے ہوئے طریقوں سے اپنا واضح اظہار کرتا ہے"۔ (صفحہ ۹۸)

اقدار کی نئی میزان

چونکہ عہدِ رواں کے مغربی کلچر کی نظر میں "سچی حقیقت کی قدر وہ ہے جو حواس کو اپیل کرتی ہو اور حقیقت کی کوئی بھی قدر ایسی نہیں جو ماورائے حواس ہو" اس لئے انسانیت کی تعمیرِ نو کے مصنف کی رائے میں اس کلچر کی میزانِ اقدار بنیادی طور پر مادی اور حواس پرستانہ، لذتیت کیشانہ اور کلبیت پسندانہ ہے۔ پروفیسر سوروکن کے الفاظ میں "اس قسم کے کلچر میں خورونوش کی آسائش، آرام دہ ملبوسات اور ٹھکانوں، جنسی آسودگی، دولت اور طاقت، مقبولیت اور شہرت کو بنیادی اقدار کا درجہ دیا جاتا ہے" (صفحہ ۱۰۲)

"خدا کی آسمانی بادشاہت کی ماورائے حواس قدروں کو" پروفیسر سوروکن کہتا ہے "یا تو اوہام پرستی کہہ کر رد کیا جاتا ہے یا پھر ان کا اعتراف محض زبانی جمع خرچ پر ختم ہو جاتا ہے" حقیقت یہ ہے کہ ان اقدار کو اس قسم کے حواس پرستانہ مادی کلچر میں جیسا کہ یہ مغربی کلچر ہے محض "طفلانہ خیال پرستیاں" تصور کیا جاتا ہے۔ پروفیسر سوروکن کے نزدیک اس معاصر کلچر میں "تکمیل حیات اور زندگی کی رونق و شادابی کو حواس کو زیادہ سے زیادہ چھیڑنے والے اقدارِ حقیقت کے اس زیادہ سے زیادہ سرمایہ سے ناپتے ہیں جو ایک فرد یا ایک گروہ اپنائے ہوئے ہو، تصرف میں لائے، استعمال کرے اور اس سے لطف اندوز ہو۔ یہ دولت، آسائش، طاقت اور ناموری وغیرہ کا کوئی جتنا زیادہ حصہ حاصل کرلے اسکو اتنا ہی زیادہ مسرور اور اتنا ہی زیادہ عظیم تصور کیا جاتا ہے (ص۱۰۲)

خود پرست افراد اور گروہ

پروفیسر سوروکن کے خیال میں ایک حواس پرستانہ مادی تہذیب و ثقافت میں جو محسوسات انگیز اقدار حقیقت رائج ہوتی ہیں ان کے زیرِ اثر "ہر شخص پیدائش سے لیکر موت تک اسی اخلاقیت (ETHOS) کے سانچہ میں ڈھل جاتا ہے۔ خاندانی پرورش گاہیں، بچوں کے گروہ جن سے وہ کھیلتا ہے، ابتدائی مکاتب تا اعلیٰ اسکول، کالج اور وہ افراد و گروہ جن سے اس کا رابطہ اور ربط و ضبط رہتا ہے — وہ اخبارات اور کتب جو مطالعے سے گذرتی ہیں، وہ سنیما اور تماشے جو دیکھے جاتے ہیں، وہ کاروبار جن میں لوگ مشغول رہتے ہیں، یہ تمام عملی شعبے ایک انسان کے اندر یہ تحریک پیدا کرتے ہیں کہ وہ دولت مند، طاقتور اور مشہور و نامور بن جائے۔ عظمت و سربراہی کی مقدار و کمیت کی اصطلاحوں سے ناپا جاتا ہے اگر کوئی ان اقدار کا ایک معمولی سا حصہ

پائے تو اس کو ناکام و نامراد تصور کیا جاتا ہے اور اسکو سماجی زینہ کی سب سے زیریں سیڑھی کی نذر کردیا جاتا ہے اگر وہ زیادہ سے زیادہ ممکن ترین حصہ کے لئے لڑنے جھگڑنے سے انکار کرے تو اس کو حوصلوں کی بلند پروازیوں سے بے بہرہ اور شاید ایک انوکھی شے غیر متوازن اور ذہنًا و اخلاقًا معمول سے ہٹا ہوا آدمی خیال کیا جاتا ہے۔ حواس پرستانہ مادّی تہذیب کی یہ قدریں بنیادی طور پر خود پرستانہ قسم کے افراد اور گروہ پیدا کرتی ہیں اور حواس پرستانہ مادی اقدار تہذیب کی مانگ کے مقابلہ میں بڑھتی ہوئی کمیابی کی بدولت یہ صورت حال اور زیادہ شدت اختیار کرجاتی ہے۔ علاوہ ازیں کوئی جتنا زیادہ یہ اقدار حاصل کرلیتا ہے اتنی ہی اُن کے لئے اس کی ہوس بڑھتی جاتی ہے (صفحہ ۱۰۳)

انسان کا تنزُّل

"انسانیت کی تعمیر نو" کے قلمکار کے نقطۂ نظر سے عہد رواں کے مغربی کلچر کی ایک عمومی خصوصیت "ان ثقافتی و سماجی اداروں کی گراوٹ ہے جن سے خود انسان اور اعلیٰ تر سطح حواس پرستانہ مادّی شے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے"۔ پروفیسر سوروکن کے خیال میں ہمارا معاصر مغربی کلچر اس بات کا پُرزور اعلان کرتا ہے کہ تہذیب ثقافت، سماجی ادارے اور انسان اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ محض ٹھیک اسی حواس پرستانہ حقیقت کی نیرنگیاں ہیں۔ محض مثبت اور منفی برقپاروں کا میکانیکی عمل ہیں — محض ذخیرۂ محسوسات کی سمٹی ہوئی شکلیں ہیں۔ محض مردہ اور زندہ مادہ کی مرکب صورتیں ہیں اور بس۔ حواس پرستانہ مادی سائنس کا یہ جھوٹا طلسم اس نظریہ کو ترقی پسندانہ نشوونما دیکر میکانیکی، مادّی، اضطراریاتی (Reflaxcological) حیاتیاتی تصوریاتی (Endoctrinological)، جنیاتی، نفسیاتی تجزیہ و تحلیل اور معاشیات کی اصطلاحوں میں سماجی اور ثقافتی مظاہر کی تشریح و تعبیر بیان کرتا ہے، ہمارے دور کا علم نفسیات انسان کی تصویر کشی کرتے ہوئے ضمیر کے وجود حتیٰ کہ ضمیری شعوریت، ذہنی سرمایہ اور تخیل تک کو ماورائے حواس اور غیر مادی قسم کی کوئی شے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ ان چیزوں کو اعصابی نظام کا ایک "ضمنی نتیجہ (By product)" قرار دیتا ہے۔ جب اس نوع کے ماہرین سائنس اپنے خود ساختہ اصولوں کو نشوونما دیتے ہیں تو وہ انسان کی تصویر کو ایک جانور کے روپ میں پیش کرتے ہیں جس پر آلات ہاضمہ اور عضلائے جنسی ایک غالب قوت کی حیثیت سے حکمرانی کررہے ہوں یا فرائڈ (Freud) کی اصطلاح میں من ہر" فرد کی اضطراری جبلی تحریکیت (" Id ") کی حکمرانی ہو جو ذہنی

مبرزہی اور تناسل جنسی جبلتوں کے ساتھ ساتھ تخریب کار، یا سیٔت پسند (Sadistic) اور میسوکسٹک (Masochistic) نیز اوئیڈیپو کمپلیکس (Oedipu Complex) پر مشتمل ہے - یعنی اس خواہش پر کہ اپنی ماں کے ساتھ لڑکا زنا کرے اور لڑکی اپنے باپ کو ورغلائے - ایک خواہش جس پر ایک باریک اور کھوکھلی "انا" اور اس ظالم قاہرانہ "فوق الانا" (Superego) کا پردہ پڑا ہوا ہے جو بے لگام تخریب کار جنسی جبلتوں کا گلا گھونٹنا چاہتی ہے تو جبلّی اضطراریت کی حالت کو پہنچ جاتی ہے - یا ایڈلر Adler کے خیالات کی رو سے انسان کو ایک ایسے جانور کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جو ہوس طاقت کے نشہ سے سرشار ہے۔ یا ایک پیچیدہ گرمی ہوئی منقلب مشینی ساخت کی صورت میں ایک تصویر کشی کی جاتی ہے - اس طرح کے ہیں۔ انسان کلچر اور سماج کے متعلق وہ سائنٹیفک تصورات جنکو حواس پرستانہ مادی کلچر تخلیق کرتا اور پھیلاتا ہے خاص طور پر اپنے ان آخری مراحل میں جس وقت عہد وسطیٰ کی فکر پردازی کی کارفرمائیاں ختم ہو چکی ہوں " - (صفحہ ۴ - ۱۰۳)

جنگ کا چڑھتا ہوا دھارا

اس بات پر کسی کو تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ جب مغربی کلچر متذکرہ بالا خود ساختہ گراوٹ کے عریاں مرحلہ کو پہنچ گیا تو وہ اپنی تمام قدروں، تمام سماجی اداروں اور خود انسان ہی کو سماجی بدرو میں گھسیٹ لایا اور آخر ش " ہمیشہ فزوں تر ہوتی ہوئی وحشت و حیوانیت کے ساتھ اس نے مسلسل بڑھتی چڑھتی ہوئی لڑائیوں، انقلابات اور دوسرے اختلافات اور انفرادی تعلقات میں جرائم کے اندر ایک دوسرے کو قتل کرنے اور مثلہ کرنے کا مشغلہ شروع ہو گیا جبکہ گیارھویں صدی سے انیسویں صدی تک کی تمام لڑائیوں میں مجموعی طور پر کوئی ڈیڑھ کروڑ قتل اور زخمی ہوئے تنہا پہلی جنگ عالمگیر میں کوئی دو کروڑ انسان کھیت آئے اور دوسری عالمی جنگ میں تقریباً پانچ کروڑ " (صفحہ ۱۰۴)

حواس پرستانہ مادی کلچر کے فطری نتائج

پروفیسر سوروکن دعویٰ کرتا ہے کہ " اقدار کی اس گراوٹ کی بنا پر ہمارے دور کا کلچر مسلسل حریفانہ جذبہ اور طاقتور خود پرست طاقتوں کو جنم دیتا ہے - جب ہر فرد و گروہ خود کو معیارات اور اقدار کا اعلیٰ ترین جج تصور کرتا ہے تو اخلاقیات کو ایک سماجی ادارہ ماننے والے فلسفی ٹامس ہابس (Thomas Habbis) کا مقصود جس کی لاٹھی اس کی بھینس " والی فضا قائم ہو جاتی ہے جس میں مکر و فریب کے ہمراہ جسمانی طاقت کے سوا ٹکراؤ اور اختلافات

کو فیصل کرنے کا کوئی دوسرا نظام نہیں ہوتا۔" (صفحہ ۱۰۶) اور اس کے علاوہ "اس فضا میں جو لوگ پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں عالمگیر طور پر مسلمہ اقدار اور معیارات (Norms) کی تعلیم اُن کے ذہن نشین نہیں کی جا سکتی۔" پروفیسر سوروکن کی رائے میں "تضاد سے بھرپور ایک ایسے کلچر کے ماحول میں جیسا کہ یہ مغربی کلچر ہے جو بچے پروان چڑھتے ہیں ان کو اقدار و اصول کے کسی ایسے آفاقی معیار سے اثر پذیر ہونے کا کوئی موقعہ نہیں ملتا جو ان کی فطرت ثانیہ بن سکے اور اندر کی طرف سے اُن کے کردار کو منضبط کر سکے۔ وہ پتوار سے محروم ان سفینوں کی طرح ہوتے ہیں جو حالات اور تغیرات کے ہر جھونکے اور تھپیڑے پر ادھر سے اُدھر بھٹکتے پھر رہے ہوں، جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچتے ہیں تو کوئی یکساں عام فکر ان کے کردار کے نظم و ضبط کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے وہ مختلف حتیٰ کہ متضاد حد تک دباؤ ڈالنے والے حلقہ جات اثر کے ہجوم میں زندگی بسر کرتے ہیں اور آوارہ و پریشان افکار و آرار کے زیر اثر آ جاتے ہیں۔ بیشتر صورتوں میں ایسا ماحول تشکیک زدہ اور انسان دشمن، مروجہ اخلاق و مذہب کے مخالف (Nihilistic) اور خیر و شر سے بے نیاز (Amoral) سماجی جتھے اور جرگے پیدا کرتا ہے۔ ان جتھوں کے افراد جو باطن کی سمت سے آفاقی معیاروں کی گرفت میں نہیں ہوتے جو اس پرستانہ مادی قدروں کے واسطے اپنی جدوجہد کے دوران میں مسلسل و پیہم ٹکراؤ کا شکار رہتے ہیں اور یہ ٹکراؤ جن میں کسی عمیق اصول و مقصد کی روح نہیں ہوتی بڑھتی ہوئی شدت کے ساتھ خون آشام و خونریز ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان حالات میں ہمیں یہ دیکھ کر متعجب نہ ہونا چاہیے کہ جوانی کی قوتوں پر ضعف اور کمزوری کا حملہ ہو رہا ہے۔ عام طور پر جرائم کاری کو پسپا کرنے کی کوششیں ناکام ہیں۔ لڑائیوں اور انقلابات کا پلہ بھاری ہوتا چلا جاتا ہے۔ جرائم کاری کی طرح سرعت و ترقی کے ساتھ لوگ زیادہ سے زیادہ وحشی اور بہیمانہ نیز انسانی یا خدائی قانون کی گرفت سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی سب کچھ عہد رواں کے مغربی کلچر کے برگ و بار ہیں۔" (صفحہ ۱۰۶)

سائنس کی غیر ذمہ دارانہ حالت

پروفیسر سوروکن کے خیال میں "اصول پسند تہذیب و ثقافت کے آفاقی معیاروں کے زوال کے ساتھ ساتھ اس حواس پرستانہ مادی سائنس اور ٹیکنالوجی کی اخلاقی، مذہبی اور غیر ذمہ داریت میں بھی نشو و نما ہوا ہے؟" وہ کہتا ہے "موجدین نے صرف ایسے ہی آلات حرب پیدا نہیں کیے جو انسانیت کے لئے مفید ہیں بلکہ وہ آلات بھی جو موت اور تباہی کو ساتھ لائے ہیں جن کا آغاز بندوق کی بارود سے ہوا اور جوہری بم، زہریلی گیسوں اور جراثیمی

لڑائیوں پر پایۂ تکمیل کو پہونچے'۔ انسان اور اس کی سماجی ثقافتی دنیا کے وہ تمام پست کن نظریئے جن پر سابقہ باب میں بحث کی گئی، 'انسان اور اس کی سماجی و ثقافتی کائنات کے متعلق وہ تمام تہذیب کُش اخلاق سوز جسمانی، اضطراریاتی، حیاتیاتی، تصوّر پرستانہ، نفسیاتی تجزیاتی، معاشی اور ان جیسی تعبیرات کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے نام پر مدوّن کر لیا گیا جنھوں نے افراد اور گروہوں کے درمیان تباہ کن آویزش کی تخلیق اور انسان کی وحشت آموزی میں کارنمایاں انجام دیا ہے۔ موجودہ دور کی سائنس اور ٹیکنالوجی کا غلط استعمال انسانیت کے مستقبل کے لئے نازک ترین خطرہ پیدا کر رہا ہے۔ اگر ان کو ان خود پرست افراد اور گروہوں کے ہاتھ میں اسی غیر ذمہ دارانہ موقف میں رہنے دیا گیا تو ممکن ہے وہ بہت آسانی سے نوع انسانی کا نام و نشان ہی مٹا کر رکھ دیں اگر ہمیں یہ آرزو ہے کہ یہ ادبار و ابتلا رفع ہو جائے تو سائنس اور ٹیکنالوجی کی فطرت میں بنیادی تبدیلی لازمی ہوگی" (صفحہ ۱۱۱)

مسیحیت اور مغرب

پروفیسر سوروکن کی رائے ہے " نام نہاد مسیحی مغرب نے قریبی صدیوں کے عرصہ میں اپنے اندر غیر مسیحی بلکہ حدیہ ہے مسیحیت دشمن طور طریق کو نشو و نما دے لیا ہے۔ ثقافت و تہذیب کی وہ وحدت جو ایک بار مذہب کے ذریعہ یورپ میں پیدا ہو گئی تھی اب رو بزوال ہے۔ فاضل پروفیسر سوروکن کہتا ہے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ عیسائی اپنے دین و ایمان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں مگر اپنے کھلے ہوئے ظاہری اعمال میں اس دین کی خلاف ورزی کرنے میں وہ کافی دور تک سے بڑھ گئے ہیں۔" آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ "خود مسیحیت پارہ پارہ ہو کر طبقوں اور فرقوں کی بھیڑ میں بٹ گئی جو ایک دوسرے کے خلاف فساد اور بیخ کنی کے کام میں مشغول ہیں۔ عیسائیت کا اوپری خول اس کا امدادی سرمایہ اور جاگیریں اس کے رسوم اور ضابطوں، اس کی انتظامی مشینری اور وراثت و نیابت نے ان صدیوں کے دوران میں اپنی روحانیت اخلاقی قوت کار اور کایا پلٹنے والی طاقت کو فروخت کر کے نشو و نما حاصل کیا ہے" (صفحہ ۱۱۴)

فلسفہ

جس طرح عہدِ حاضر کی مغربی دنیا میں مذہب پر مغربی کلچر نے ناسازگار اثرات ڈالے ہیں ٹھیک یونہی فلسفہ کو بھی سخت صدمہ اٹھانا پڑا۔ اسنئے فلسفیانہ نظام جن کا ارتقا مغرب میں ہوا وہ تشکیک پسندی، لاادریت (Agnosticism)، آدرشی واد (Adealism) اور انضباط پسندی (Integralism) کی

ایک معجونِ مرکب ہیں۔ ایک ناقابل انکار و تردید حقیقت یہ ہے کہ صرف مادہ پرستانہ، مشینی، تجربیت پسندانہ مثبت، وسائل پسند (Instrumental) کاروباری عملیت سے تعلق رکھنے والے، تشکیک زدہ اور نیم استدلالی (Quasi-Rationalistic) قسم کے فلسفیانہ نظام ہی جواس پرستانہ مادی کلچر کی فضاؤں میں پروان چڑھے اور شاداب ہوئے ہیں " (صفحہ ۱۱۵) — "انسانیت کی تعمیر نو" کے فاضل مصنف کی رائے میں ان فلسفوں نے مادی کلچر کے اخلاق سوز اثرات کو خوب اچھی طرح سمجھا دیا ہے لیکن اس کی کسی مخصوص متوازی بہتری کو ثابت نہیں کیا گیا۔ اس لحاظ سے ایسے فلسفوں کے باریک و دقیق مگر ہمہ گیر طور پر جاری وساری اثرات نے خصوصی امتیاز کے ساتھ خود پرست اور حریفانہ طاقتوں کو آزاد چھوڑ کر آخری درجہ کی تباہی مچائی ہے" (صفحہ ۱۱۵) استحکام و شیرازہ بندی پر عمل پیرا ہونے اور انسانیت کے اختلافی ٹکراؤ رفع کرنے کے لئے پروفیسر سوروکن کا خیال ہے کہ کسی ایسے مذہب ہیں "سب کچھ نثار کرنے والی اور عفو و درگذر کو عام کرنے والی محبّت" انسانوں کے ساتھ ۔ خدا کے ساتھ اور ساری کائنات کے ساتھ ایک انسانی محبت کی روح پھونکنی ہی ہوگی ۔ ایک محبت جو الفاظ اور آرزوؤں کے ساتھ فعل و عمل میں بھی نمایاں ہو سکے " (یہاں ہیں یہ عرض کرنے دیا جائے کہ ایسا مذہب، مذہب اسلام ہے جو واحد جیتا جاگتا مذہب ہے جو اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی اصل تعلیمات کی حقیقی عفت و تقدیس محفوظ ہے۔ یہی وہ واحد مذہب ہے جو پروفیسر سوروکن کی آرزوؤں کے مطابق انسان کو پھر مقدس مزاج و فطرت کی لامحدود بلندیوں تک پہونچانے اور انسانیت اور مادۂ تخلیق (Cosmos) کی تخلیقی روح کے درمیان کھوئی ہوئی وحدت کو برقرار کرنے کا اہل "ہے"۔ وہی یہ کر سکتا ہے کہ" انسان کی نورانی اصل کو پھر سے اُبھارے تاکہ اس کے زوال و تنزّل کا جواب دیا جا سکے جو محض مادہ اور زندگی کے ایک مشینی عمل کی سطح پہ پہنچ گیا ہے جس پر اس کی شعوری اور غیر شعوری "انا" کا تسلط ہے"۔ وہی اس کی طاقت رکھتا ہے کہ" انسان کو اس جذبہ و حسرت کی ایک نہ ختم ہونے والی پیاس سے آشنا کرے کہ وہ لافانی حقیقت، خیر اور حُسن کی مافوق الفطرت دنیا کی تلاش میں شخصیت کے شعوری یا غیر شعوری مراحل سے آگے اور آگے بڑھتا ہی چلا جائے "۔ جس کی آرزو "انسانیت کی تعمیر نو" کے مصنف کو ہے ۔)

فنون لطیفہ

" انسانیت کی تعمیر نو" کا مصنف ہیں آگے چل کر بتاتا ہے کہ" ہمارے زمانہ کے مغرب کے حواس پرستانہ مادی کلچر کی

نشوونما کے ساتھ ساتھ آرٹ بھی بڑھتی ہوئی شدت کے ساتھ حواس پرستانہ طور پر مادی ہو کر رہ گیا ہے جو اپنے موضوع اور مرکزی مواد کے لحاظ سے لادینی ہے اور اپنی ہیئت کے اعتبار سے مشاہدہ پسند اور طبیعی ہے۔ وہ فن برائے فن کے لئے وقف رہا۔ مذہب، فلسفہ، سائنس اور اخلاقیات سے لاتعلق ــ آخر کار اس نے غلبہ و بالادستی حاصل کر کے شہوانی نہیں تو کم از کم سنسنی خیز حیاتی تسکین و آسودگی کے ایک نفیس آلہ کی شکل اختیار کر لی۔" (صفحہ ۲۲-۱۲۱) مزید برآں یہ کہ" ازمنۂ وسطی کی فنی اقتدار کی پسپائی کے ساتھ اس نے تیزی سے اپنی جبلی مریضانہ خصوصیات کو نشوونما دینا شروع کر دیا اور اس طرح تخلیقی کم اور زیادہ سے زیادہ مریضانہ، پستی آموز، منفیانہ اور غیر مربوط و پریشان ہوتا چلا گیا۔" آہستہ آہستہ مغرب کا یہ فن "سماجی گندی نالیوں کے فضلۂ غلاظت میں اتر گیا.... اس کے ہیرو اور مرکزی کردار نمائشی منافق، سرغنے اور مجرم، فاحشائیں، خبطی اور ذہنیتاً ناقص العقل، لاوارث انسانی نسل اور اسی قبیل کے لوگ ہیں، اس کے محبوب ماحول کے ساز و سامان ہیں مجرموں کی کمین گاہیں ــ پولیس کے شناختی لاش گھر۔ پاگل خانے۔ کسی شادی شدہ خاتون، زناکارہ، فاحشہ یا اغوا کرنے والی کی خواب گاہ ــ کوئی شبینہ کلب ــ شراب خانہ یا نشاط خانہ کا کمرہ ــ سازش کرنے والوں اور نمائش پسندوں کا دفتر۔ یا ایک شہری سڑک جس پر کوئی سنسنی خیز قتل یا کسی اور جرم کا منظر پیش ہو رہا ہو۔ فرائڈ کی یہ دو جبلتیں اس کا مخصوص موضوع بنیں۔ انسان کشی اور خودکشی کی جبلتیں، خاص طور پر جنس سے تعلق رکھنے والی جبلتیں اپنی تمام تر ممکن شکلوں میں ــ دورِ وحشت کی جذباتیت اور رومان پسندانہ اسلوب میں ــ ہم جنسی اور مختلف الجنسی نفسانی تعلق میں۔ عام معمول کی صورت میں اور عام معمول سے ہٹی ہوئی بگڑی ہوئی شکلوں میں۔ علیٰ ہذا القیاس آرٹ گرتے گرتے انسان کُش ہو گیا اور شہوانیاتی بھوک تک جا پہونچا، تفریح اور سہل انگاریوں کا آلۂ کار بن گیا، تھکن سے چور اعصاب میں تحریک پیدا کرنے کے صرف میں آنے لگا، یا بازاری اشتہاری چیزوں، ملین ادویات، مالش کے تیل، جو، صابون اور سیفٹی ریزر وغیرہ کی زر خرید خادمہ اور کنیز بن گیا! وہ برہنہ رقاصاؤں کی سطح تک اور ان خفیہ تصاویر کی حد پر جا گرا جن میں عملی مباشرت کی نمائش کی گئی ہو۔" (صفحہ ۱۲۲)

فن کی پستی اور زوال

پروفیسر سوروکن ہمیں مزید بتاتا ہے کہ اپنے موجودہ کردار کے لحاظ سے فن "محض ایک بازار کی قابل بیع و شرا چیز میں تبدیل ہو گیا ہے جس کو کسی دوسری شے کی طرح خریدا اور بیچا جا سکے" اور نفع بخش بکری حاصل کرنے کے لئے" سوقیانہ مذاق

کے عامیانہ تقاضوں کو پورا کرنے پر مجبور کیا گیا ہے کیونکہ بازاری تقاضوں اور مانگ کا حجم ستھرے تقاضوں کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے ..... اس لئے اپنے معیارات کی پستیوں میں وہ اور زیادہ نیچے بیٹھتا چلا گیا، اس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس کمی کو مقداریت و کمیت کے قاعدہ سے پورا کرے (یعنی جتنا زیادہ اتنا ہی بہتر" کا اصول) اس نے کمی کو پورا کرنا چاہا غیر مربوط و پریشان دریافتوں سے ۔ سنسنی خیز سرگذشتوں اور مرعوب کن فنی ترکیب سے ۔ اس طرح ادبیاتِ عالیہ کی جگہ زیادہ چلنے والے تماشے، صاحبِ ذوق نقاد کی جگہ کاروباری تاجر، حقیقی فن شناسوں کی جگہ نشاط کدوں کے رندانِ حسن اور اہل تدبیرِ فن کی جگہ اخباری نامہ نگاروں نے لی فلمساز ۔ اداکار اور موسیقار کو قوتِ تخلیق سے مالا مال اربابِ فن کی گدی پر متمکن کر دیا گیا ۔ زرق برق خیرہ کن عورتوں کو اندرونی قدر و قیمت کی جگہ پر لاڈالا گیا ۔ فنی تراکیب و اسالیب نے عبقریت کا مقام حاصل کر لیا ۔ نقالی کو اختراعی صلاحیتوں کی نیابت عطا ہو گئی بازاری دریافتوں اور ایجادات کو پائیدار قدروں کی جگہ دیدی گئی، کاروباری تاجرانہ منڈیوں کو فن کے حلقوں کی جگہ بخشدی گئی ۔ اور "روزانہ ایک کتاب پڑھنے والے کلبوں" کو فنون کی مجالسِ علمی اور تخلیقی فنکاروں کی انجمنوں کا مقام مل گیا"۔ (صفحہ ۱۲۲ ۔ ۱۲۳)

(نوٹ ۔ ہمارے عظیم عقلیت پسند اور اونچے حکام جو ان عامیانہ اجتماعات کی صدارت پر فخر محسوس کرتے ہیں، جو ثقافتی تقریبات" کے اعلیٰ نام پر منعقد ہوتے ہیں، کیا اس ہم عصر عظیم مغربی مفکر کے ان الفاظ پر غور فرما سکیں گے ؟ ۔)

حرفِ آخر

ایک ایسے ملک میں جیسا کہ ہمارا ملک ہے جہاں ہر "بازاری شے" کو آرٹ اور کلچر کے نام پر بڑھاوا دیا جاتا ہے وہاں کے تمام سماجی بہی خواہوں کو اس فیصلہ ءِ استدراک پر گوش برآواز ہو جانا چاہیئے جس پر ایک بلند مرتبہ جدید مغربی علامہ پہونچا ہے پروفیسر سوروکن کہتا ہے " بنیادی طور پر جو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مادہ پرستی کو ہمہ گیر نظریہ زندگی ماننے والے کلچر کے درخت کی بیخ دین ہی اور اسکی عظیم منطقی بنیاد ہی مایوس کن حد تک غلط ہے ۔ اس حواس پرستانہ مادی کلچر کی جڑیں سڑی ہوئی جڑیں جتنی زیادہ دیر تک قائم رہیں گی اتنا ہی زیادہ پژمردہ یہ درخت ہو جائیگا اور اتنی ہی کمزور و مضمحل اس کی تخلیقی طاقت ہوتی جائیگی ۔ ایسے حالات میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ اعلیٰ اور تخلیقی صلاحیتوں کی حامل ہستیوں کو پروان چڑھایا اور تیار کیا جائے ۔ اور نہ ہی اس کا امکان ہے کہ ایک ہم آہنگ ثقافتی نظام برپا کیا جائے ہمارا دم توڑتا ہوا کلچر نفرت، رقابت اور رشک و حسد کی وہ تخم ریزیاں کرتا ہے کہ جس سے ناپیدا کنار، نہ ختم ہونیوالی لڑائیاں، انقلابات اور دوسرے خونیں تصادموں کی تخلیق ہوتی ہے" اب یہ عہدِ رواں کا کلچر پروفیسر سوروکن کے الفاظ میں "تاب و تواں کھو چکا ہے ۔ اور روبہ زوال ہے"۔ (صفحہ ۱۲۵) ۵۷

۵۷ (الاسلام (انگریزی) کراچی ۱۵ر فروری سنہ ۱۹۶۰ء